اختر شاد

پاکستان میں ادبی تحقیق کے مسائل

پاکستان میں ادبی تحقیق کا سب سے بڑا مسئلہ درست متن کا حصول ہے۔ یوں تو بے شمار قدیم متون مل جاتے ہیں جن میں کچھ مطبوعہ بھی ہیں لیکن ان قلمی نسخوں، کلیات اور تصانیف میں الحاقی اور منسوب حصے آ جاتے ہیں جب کہ بعض اوقات اصل متن کے کچھ اجزاء ان میں شامل ہونے سے رہ جاتے ہیں۔ کسی بھی مصنف نے اپنی جملہ تخلیقی کاوشوں کا درست متن خود نہیں بنوایا۔ جس کی وجہ سے پاکستانی ادب کا زیادہ حصہ قیاسی اور تاثراتی ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں مثلاً انتقاد کے دوران پروفیسر محمد حسن اس نتیجے پر پہنچے ''فراق کو ذوق کا پورا کلام میسر نہ تھا لیکن انھوں نے مقالہ لکھا جو شرح کلام ذوق کی بنیاد قرار پاتا ہے۔''

یا مجنوں گورکھپوری کے مضمون ''میر اور ہم'' کی بنیاد یہ شعر ہے۔

شکست و فتح نصیبوں سے ہے دلے اے میر
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

اور اسی کو رہنما بنا کر انھوں نے میر کے کلام میں تاب مقاومت ڈھونڈ نکالی ہے جب کہ یہ حقیقت ہے کہ یہ شعر میر کا نہیں بلکہ ایک غیر معروف شاعر امیر کا ہے اور اس سے مختلف بھی ہے۔[1]

کراچی کے ایک بزرگ شاعر عارف لکھنوی نے ۲۳ نومبر ۱۹۹۰ء کو ایک ملاقات کے دوران راقم کو بتایا اور تقاضائے راقم پر راقم کی نوٹ بک میں مذکورہ بالا شعر کے حوالے

۱۔ محمد حسن۔ پروفیسر ''ادبی تحقیق کے بعض مسائل''۔ مشمولہ ''اردو میں اصول تحقیق'' مرتبہ: ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش۔ جلد دوم: صفحہ ۱۳۰

سے لکھا کہ میر کی شاعری میں مذکور قافیہ ردیف کی کوئی غزل ہی نہیں اور یہ شعر نواب یامین خان رئیس ٹونڈلہ (یو۔ پی۔ بھارت) کا ہے اور اصل شعر مندرجہ ذیل ہے:

شکست و فتح مقدر کی بات ہے لیکن
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

عارف لکھنوی مزید لکھتے ہیں کہ کافی عرصہ ہوا لکھنؤ سے ایک کتاب ''شاگردانِ مصحفی'' شائع ہوئی تھی اس کے مطالعہ سے تفصیل معلوم ہو جائے گی یہ ان کے شاگرد تھے۔ [1]

مندرجہ بالا صورت حال سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ درست متن کی عدم موجودگی ادب کے طالب علم اور محقق کو کس قدر گمراہ کر سکتی ہے۔

ا۔ تحقیق و تنقید کے درمیان فاصلے

پاکستانی ادبی تحقیق کا ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ بعض سہل پسند محققین نے بیانیہ قسم کی برائے نام تحقیق جاری رکھی ہوئی ہے۔ اور تنقید سے اپنا تعلق ترک کر رکھا ہے اس طرح تحقیق و تنقید کے درمیان ایک خلیج موجود ہے۔ بقول پروفیسر محمد حسن: ''کبھی کبھی تنقید نگاروں کی طرف سے تحقیق پر ''گورکنی'' کی پھبتی کسی جاتی ہے تو کبھی تحقیق کے شیدائی تنقید کو محض لفاظی یا خیالی طوطا مینا بنانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ [2]

اس صورت حال میں نقاد اور محقق ہر دو اپنا فرض بخوبی ادا نہیں کر پاتے۔ کیونکہ تحقیق و تنقید لازم و ملزوم ہیں اور تحقیقی کام تنقیدی شعور کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ مظفر علی سید نے ایک موقع پر کہا تھا:

۱۔ عارف لکھنوی سے راقم کی ملاقات: ۲۳ نومبر ۱۹۹۰ء۔ دفتر گلوب ٹریڈرز نزد لیاقت باغ۔ راولپنڈی

۲۔ محمد حسن۔ پروفیسر ''ادبی تحقیق کے بعض مسائل''۔ مشمولہ ''اردو میں اصول تحقیق'' مرتبہ: ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش جلد دوم: صفحہ ۱۳۰

"گویا ہر محقق میں ایک جزوی نقاد اور ہر نقاد میں ایک جزوی محقق کا وجود لازم ہے"۔[1]

۲۔ استخراج نتائج کا فقدان

تحقیق کا مقصد صرف حقائق و واقعات کے انبار لگا دینا نہیں بلکہ حقائق کی تہ میں کارفرما خیال تک رسائی بھی ضروری ہے۔ یہ کام قوت متخیلہ کی مدد لیے بغیر نہیں ہو سکتا۔ بے شک تحقیق سائنسی طریق تفتیش اور حقائق کے تابع ہوتی ہے اور تخیل تخلیق میں بنیادی طور پر اور تنقید میں ضمنی طور پر کارفرما ہوتا ہے لیکن کسی ایک روایت کو درست اور دوسری کو غلط قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ حقائق کے مختلف ٹھوس ٹکڑوں کو ایک پیکر میں ڈھالا جائے اور حالات، ادبی رجحانات اور ان کے پس منظر کو سامنے رکھ کر ان حقائق سے امکانی نتیجے کا استخراج کیا جائے۔ وسائل کی کمیابی کے باعث حقائق کا تقابل و موازنہ ہماری تحقیق میں کما حقہ نہیں ہو پاتا لہٰذا اکثر بے نتیجہ تحقیقی کام سامنے آتے ہیں جن سے نئے محققین کو استفادہ کرنے یا انھیں آگے بڑھانے میں بہت دشواری ہوتی ہے۔

۳۔ بنیادی وسائل کی عدم دستیابی

اردو کی ادبی تحقیق کے لیے نکلنے والے طالب علم کی مثال اس سیاح کی ہے جو پاپیادہ دنیا کے سفر پر روانہ ہو گیا ہو۔ وہ اسی صورت میں سفر کا آغاز کر سکتا ہے کہ وسائل سفر اور سمت کی نشاندہی پر اصرار نہ کرے۔ سب سے پہلا اور کڑا مرحلہ یہ ہے کہ اسے یہ مکمل معلومات فراہم کرنے والا کوئی ذریعہ یا ادارہ ہی نہیں ہے جو اسے یہ بتا سکے کہ کن کن موضوعات پر اب تک کون کون سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور کون کون سے رسائل اخبارات، مخطوطات، ذرائع ابلاغ کی فائلوں اور غیر ادبی مآخذ میں اس کے موضوع سے

۱۔ اعجاز راہی۔ ڈاکٹر (مرتب) روداد سیمینار: اصول تحقیق، ۲۵ تا ۲۷ مارچ ۱۹۸۶ء (روداد: پہلا اجلاس: ۲۶ مارچ ۱۹۸۶ء) صفحہ ۱۴: مقتدرہ قومی زبان۔ اسلام آباد

متعلقہ مواد موجود ہے؟ اور اگر خوبی قسمت سے اسے اپنے موضوع سے متعلقہ مواد کی اطلاع مل بھی جائے تو مواد تک رسائی اس کے لیے جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتی۔ تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ محقق موضوع سے متعلقہ قدیم متن دریافت کرے تو اس کے تخلیقی پس منظر کے ساتھ ساتھ اس دور کی زبان واملا تک بھی رسائی کرے لیکن اس سلسلے میں مستند لغات کی عدم دستیابی یا قدیم مخطوطات اور ان کی طرز سے متعلقہ قابل فہم مخطوطات کا حصول اور زیادہ مشکل کام ہے۔ مخطوطات کی وضاحتی فہرستیں پاکستان کے بیشتر کتب خانوں یا اداروں کے پاس مکمل نہیں ہیں۔ اگر کہیں فہرست ہے بھی تو اس میں درج بعض نسخے گم یا ضائع ہو چکے ہیں اور جو اداروں یا لوگوں کی ذاتی ملکیت میں ہیں ان کو حاصل کرنا پاکستانی محقق کے لیے بہت دشوار کام ہے۔ اس کے علاوہ پاکستانی محقق کو اپنے موضوع سے متعلقہ مواد ہندوستان اور مغربی کتب خانوں سے بھی حاصل کرنا پڑتا ہے۔ مغربی کتب خانوں سے تحریروں کے عکس مل جاتے ہیں لیکن ان تک رسائی کی مشکلات اور محقق کے مالی مسائل اس سلسلے میں حائل ہوتے ہیں۔ بھارت میں ایک تو بہت کم لوگ اور کتب خانے ایک دوسرے کو کتب اور دستاویزات مستعار دیتے ہیں دوسرے کچھ کتب خانے مواد کو باہر لے کر جانے ہی نہیں دیتے۔ اگر ان کی اپنی مشینوں سے عکس لینے کے لیے رقم جمع کروائی جائے تو بعض کتب خانوں میں بہت عرصہ تک عکس نہیں مل پاتے کیونکہ کبھی کتب خانے تعاون ہی نہیں کرتے اور کبھی لائبریری سٹاف کی ترجیحات کار آڑے آتی ہیں۔ اس کے علاوہ مواد کا یہ حصول اتنا مہنگا پڑتا ہے کہ تحقیقی، تعلیمی ادارے اس خرچ کو اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور طالب علم یا محقق ذاتی طور پر ان اخراجات کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

۴۔ نجی مخطوطات و مواد

جو مخطوطات نجی ملکیت میں ہوتے ہیں وہ بیشتر محقق کی دسترس میں نہیں آتے یا بہت مشکل سے آتے ہیں۔ اسلامی مدارس، خانقاہوں، امام بارگاہوں، جاگیرداروں،

نوابوں اور حکمران خاندانوں کے پاس تحقیقی ماخذ کا وقیع سرمایہ تھا جس میں سے بہت کچھ ضائع ہو چکا ہے اور جو موجود ہے وہ ان کے تہ خانوں اور سٹوروں میں پڑا ہے جسے وہ اپنے اجداد کی نشانی تو سمجھتے ہیں لیکن اس گرد آلود مواد کو ہاتھ لگانا یا کسی کو اسے نکالنے کی اجازت دینا ان کے لیے الجھن کا باعث بنتا ہے۔ انھیں اس امر سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تحقیق سے ان کو ذاتی، خاندانی یا تاریخی سطح پر کیا فائدہ ہوگا۔ وہ اس تحقیق سے حاصل ہونے والی ممکنہ شناخت اور ستائش و صلے کی تمنا سے بھی بے نیاز ہیں۔ بعض حالات میں تو اس مواد کے مالک اس امر کا اقرار ہی نہیں کرتے کہ ان کے پاس مواد موجود ہے۔ پاکستان کے بڑے کتب خانوں کی کتابوں اور مخطوطات کی نہ کوئی مرکزی فہرست ہے نہ کوئی یونین کیٹلاگ ہے اور نہ ہی ان کی مائیکرو فلمیں یا فوٹو سٹیٹ میسر آتی ہیں۔ بعض کتب خانوں اور اداروں کے پاس مائیکرو فلمیں ہیں مگر انھیں پڑھنے کی سہولت نہیں ہے۔ برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری میں برصغیر کے ادبی مواد کا وقیع سرمایہ موجود ہے لیکن اس کے حصول کے لیے بھی تحقیق کے طلبہ کو در بدر بھٹک کر معلومات حاصل کرنی پڑتی ہیں۔

۵۔ عوام میں تحقیق کی افادیت کے شعور کا فقدان

محقق کے دل و دماغ میں تجسس اور حقائق تک پہنچنے کا اشتیاق ہوتا ہے لیکن پاکستانی معاشرہ ادبی تو کیا سائنسی اور عمرانی سطح پر بھی تحقیق کے مزاج سے آشنا نہیں ہے۔ بقول کسے ہم سوال اٹھانے کے بجائے دریوزہ گر کی طرح سوال کرنے کے عادی ہیں۔ اس معاشرے میں ادب کو فارغ البال لوگوں کا کام سمجھا جاتا ہے۔ کچھ دن ہوئے میرے ایک جاننے والے ٹی وی پروڈیوسر اپنی ٹیم کے ساتھ پنجاب کالج آف کامرس راولپنڈی کی لائبریری میں لائبریری کی افادیت کے حوالے سے طلبہ کی گفتگو ریکارڈ کرنے آئے۔ غیر رسمی گفتگو کے دوران انھوں نے مجھے بتایا کہ وہ ادب کی افادیت کے حوالے سے

ریکارڈنگ کرنے اسلام آباد کے مختلف تعلیمی اداروں میں گئے ۔طلبہ کی غالب اکثریت نے کہا کہ الیکٹرونک میڈیا اور انفارمیشن کے دور میں آپ اردو شعروادب کی بات کرتے ہیں اس کا کیا فائدہ ہے۔[1]

ہم معاشرے کا ادبی ذوق پست ہونے کا مطلب یہ تو نہیں لیتے کہ ادب بے کار ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مادیت پرست معاشرے کی نسل نو کے نوجوان کو اس امر سے کیا دلچسپی ہے کہ اس کے دادا نے کون سی نظم کس واقعہ کے زیر اثر کہی تھی؟ اور اس کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب پوتا اس امر کی تحقیق میں معاونت کیوں کرے؟

۶۔ سماجی معیارات کی جکڑ بندیاں

محقق حالات و واقعات کو اصلی حالت میں پیش کرتا ہے لیکن پاکستانی معاشرہ اپنے مثبت یا منفی ہر دو قسم کے سماجی معیارات کا قیدی ہے۔زیر تحقیق ادبی شخصیت کے اقربا مبالغے کے ساتھ اس کے محاسن اور اس کے دشمن مبالغے کے ساتھ اس کے معائب بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کی تنقیح و تصدیق بعض اوقات بہت ضروری لیکن بہت مشکل ہو جاتی ہے۔

۷۔ جلد بازی

پاکستان میں ادبی تحقیق کے سلسلہ میں ایک دشواری یہ بھی ہے کہ محقق مالی فوائد کے لیے ''کاتی اور لے دوڑی'' والا رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔اس کی وجوہات ان کی مالی مشکلات اور شہرت کی خواہش بھی ہیں۔ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹریٹ کے نام پر کی جانے والی تحقیق کے معیار کے گرنے کی بنیادی وجہ تحقیق سے وابستہ مالی فائدہ بھی ہے۔یعنی پی۔ایچ۔ڈی

۱۔ ٹی وی پروڈیوسر قیصر امام نقی سے راقم کی ملاقات ۱۶ فروری ۲۰۰۲ء

کرنے والے کو ڈیڑھ ہزار روپے اور ایم فل کرنے والے کو اس سے نصف مخصوص الاؤنس تاحیات ملتا رہتا ہے لہذا گزشتہ دو دہائیوں میں ہمارے ہاں اچانک ڈاکٹرز جو مشرومز کی طرح پیدا ہو رہے ہیں تو اس کی وجہ پاکستان کے ایک سابقہ وزیر ہیں جنھوں نے علمی سرپرستی کے لیے یہ خصوصی الاؤنس بجٹ میں رکھا تھا''۔[1]

یہ درست ہے کہ طلبہ ڈگری لینے کی جلدی میں کام کرتے ہیں۔ لیکن تحقیق دلجمعی کے ساتھ مطالعہ کرنے مطالب کی تفہیم کے لیے برسوں خون خشک کرنے اور ادب میں انکشافات وحقائق کا اضافہ کرنے کا نام ہے۔

۸۔ اعلیٰ تعلیمی مرحلے پر تحقیق

پاکستان میں طالب علم کو ایم اے ، ایم ایس سی ، ایم فل یا پی ایچ ڈی کی سطح پر اعلیٰ پائے کا تحقیقی مقالہ لکھنے کا حکم ملتا ہے۔ لیکن اسے پرائمری ، ثانوی ، اعلیٰ ثانوی اور انڈر گریجویٹ سطحوں پر تحقیق سے دور رکھا جاتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خوشہ چینی، سہل پسندی اور ناتجربہ کاری کے بل پر ایسا کام کرتا ہے جو برائے نام تحقیقی کام ہوتا ہے۔

۹۔ کارِ بے ثمر

بلاشبہ پاکستان میں ایسے محقق موجود ہیں جنہوں نے تمام تر مشکلات کے باوجود ادبی تحقیق جیسے کارِ بے ثمر اور کارِ کوہ کنی کو پورے خلوص کے ساتھ اپنا رکھا ہے۔ وہ حافظ محمود شیرانی ہوں ، مولوی محمد شفیع ہوں ، ڈاکٹر سید عبداللہ ہوں ، ڈاکٹر وحید قریشی ہوں ، ڈاکٹر جمیل جالبی ہوں ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ ہوں ، ڈاکٹر فرمان فتح پوری ہوں ، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ہوں ، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ہوں

۱۔ سلیم اختر۔ ڈاکٹر: اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ۔ صفحہ ۵۴۳

خلیل الرحمٰن داؤدی ہوں ، ڈاکٹر گوہر نوشاہی ہوں ، مشفق خواجہ ہوں ، ڈاکٹر سید معین الرحمٰن ہوں ، اکرام چغتائی ہوں یا ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش ہوں ، ان سب محققین نے ستائش و صلے کی تمنا اور پروا کیے بغیر اردو کی ادبی تحقیق کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا لیکن سوال یہ ہے کہ جس زر پرست اور طبقاتی معاشرے میں ان پڑھ یا ثانوی سطح کی تعلیم کے حامل امراء اور ارباب اختیار کی اولاد دنیا کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں حاصل کر رہی ہو اور مادی سطح پر ستاروں اور سیاروں کے ہمدوش پرواز کر رہی ہو وہاں اعلیٰ اخلاق و اقدار اور ارفع تعلیمی و تحقیقی استعداد کا حامل لیکن خاک بسر محقق اپنے متعلقین اور اولاد کے سامنے ان کی محرومیوں کا کیا جواز پیش کرے؟

۱۰۔ قلت وقت

تحقیق کے لیے برسوں تک حقائق کی چھان بین اور تنقیح کے لیے وقت درکار ہے۔ محقق بھی چونکہ ایک سماجی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے اسے بھی اپنے متعلقین کے جسم و جاں کا رشتہ بحال رکھنا ہوتا ہے لہذا اس کی دیگر سماجی ذمہ داریوں کی وجہ سے وقت کی قلت بھی تحقیق کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔

۱۱۔ معلومات کا صیغۂ راز میں رکھنا

مشرقی معاشرے میں لوگ اپنے اقرباء کے حوالے سے بہت سی معلومات صیغۂ راز میں رکھنے کے پابند اور خواہش مند ہوتے ہیں لہذا ان حقائق کا بے جا انکشاف بھی محقق کے لیے مسائل پیدا کرتا ہے۔ اگر متنازع امور کا انکشاف ہو جائے تو کئی سماجی پیچیدگیاں اور مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ امریکہ میں Privacy Act کے تحت بے جا معلومات فاش کرنے والے محقق کو جرمانہ ہوتا ہے اور اس کا تحقیقی منصوبہ منسوخ کر دیا جاتا ہے لیکن پاکستان میں اس حوالے سے کوئی قانون موجود نہیں ہے۔

۱۲۔ تعصّبات

پاکستانی معاشرہ علاقائیت، فرقہ واریت اور قبائلی نظام میں جکڑا ہوا معاشرہ ہے۔اس لیے یہاں محقق کو تحقیق سے متعلقہ افراد کے تعصبات کی وجہ سے بہت دشواریوں کا سامنا رہتا ہے۔کراچی کا تحقیقی دبستان پنجاب والوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتا ہے اور پنجاب والے کراچی والوں کی ٹانگ کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے کئی محقق اپنے پسندیدہ اور طبعی مطابقت کے حامل موضوع کے بجائے حصول سند کے لیے کسی دوسرے موضوع پر تحقیق کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جو اپنے معیار کے اعتبار سے تسلی بخش نہیں رہتی۔

۱۳۔ جدید تکنیک کا عدم استعمال

یہ دور برقی ذرائع ابلاغ کا دور ہے۔اگر کمپیوٹر اور انٹرنیٹ وغیرہ کاروبار اور لین دین میں مددگار ہو سکتے ہیں تو یہ ہر لائبریری کا لازمی جزو بھی ہونے چاہییں لیکن اب تک بہت کم کتب خانوں میں یہ سہولت موجود ہے اور وہ بھی جزوی طور پر اس کے علاوہ مائیکروفلموں کی عدم دستیابی یا دستیابی کی صورت میں ان کا قابل مطالعہ نہ ہونا یا مطالعے کی سہولت نہ ہونا بھی تحقیق کے سلسلے کی ایک اہم دشواری ہے۔

۱۴۔ موضوعات کی تکرار

کئی تعلیمی اداروں میں تحقیق شدہ موضوع کے عنوان میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ انہی موضوعات پر کام ہوتا ہے جن پر پہلے کام ہو چکا ہے۔کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ صدر شعبہ کسی دوسرے کا ایم اے کا مقالہ اٹھا کر اس میں کچھ اضافہ کروا کر اپنے من پسند آدمی کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دلوا دیتا ہے۔بعض اساتذہ تو طلبہ و طالبات کو مقالے یا ان کے کچھ حصے لکھ کر بھی دیتے ہیں۔کئی طلبہ کے خاکے مسترد کر دیے جاتے ہیں لیکن انہی موضوعات پر بااختیار افراد اپنے اقربا یا من پسند لوگوں سے کام کرواتے ہیں۔اس حوالے سے بھی ملک

میں کوئی قانون موجود نہیں ہے۔

فروغ تحقیق کے لیے چند تجاویز

پاکستان میں ادبی تحقیق کو فروغ دینے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کی ضرورت ہے۔

ا۔ حفاظت متون

قدیم متون کو محفوظ کرنے کے لیے فوری طور پر اقدامات کیے جائیں۔ نجی ملکیت ، خانقاہوں، امام بارگاہوں اور خاندانی کتب خانوں میں موجود ادبی مواد اور ماخذات کو قومی ملکیت قرار دیتے ہوئے سرکاری کتب خانوں میں محفوظ کیا جائے۔ ان کی نقول اور فلمیں تیار کروا کر ان کے یونین کیٹلاگ مرتب کروائے جائیں تاکہ تحقیق کا کوئی بھی طالب علم کسی بھی شہر کے بڑے کتب خانے سے ان کی نقول یا ان کے بارے میں معلومات حاصل کر سکے۔

۲۔ تحقیقی کام کا جائزہ اور استناد

ہر تحقیقی کاوش کو معاصر ادبی مواد اور غیر ادبی مآخذ کی روشنی میں جانچنے کے لیے حکومتی سطح پر مستند محققین کی ایک کمیٹی بنائی جائے اور ذاتی سطح پر بھی کوئی محقق جب تحقیقی کتاب شائع کرے تو اسی مستند کمیٹی کی سفارش پر اس کتاب کو ادبی تحقیقی سرمائے میں شامل کیا جائے اور ملک کے تمام بڑے کتب خانوں میں اس تحقیقی کاوش کو رکھنے کی سفارش کی جائے۔ اگر یہ کتاب مزید تحقیق طلب یا اصلاح طلب ہو تو اس پر دوبارہ کام کروایا جائے تاکہ مستند کتاب سامنے آسکے۔

۳۔ تعلیمی اداروں کے تحقیقی معیار میں بہتری

تعلیمی اداروں میں بھی مستند اور نابغہ روزگار محققین تحقیقی مقالوں جانچ پڑتال کر

کے اسناد جاری کرنے کی سفارش کریں۔ چند برس سے ایم اے اردو کی سطح پر تحقیق و تدوین کو بطور اختیاری مضمون پڑھایا جاتا ہے اور ایم فل / پی ایچ ڈی کی سطح پر مجموعی تحصیل علوم اعلیٰ کی تدریس لازمی قرار دی گئی ہے جس میں تحقیق و تدوین کی تدریس بھی شامل ہے۔ جب کہ اس سے قبل تحقیق و تدوین کے اصولوں کی تدریس کے بغیر ہی طلبہ کو تحقیقی کام پر لگا دیا جاتا تھا۔ اب نہ صرف تحقیق و تدوین کی اس تدریس کو جاری رکھنا ضروری ہے بلکہ اسے لازمی قرار دیتے ہوئے تحقیق کے روبہ تغیر تقاضوں سے ہم آہنگ رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔

۴۔ اشتراک عمل

تحقیقی سطح پر پاکستان کے تمام تعلیمی اداروں اور کتب خانوں کے اشتراک عمل کا قانونی نظام بنایا جائے تاکہ ادبی تحقیقی کاموں کے سلسلے میں محققین کا ایک دوسرے سے رابطہ رہے اور موضوعات کی تکرار نہ ہو۔ اگر ایم اے کی سطح پر موضوع پر کما حقہ کام نہ ہوا ہو تو ایم فل / پی ایچ ڈی کی سطح پر اسی محقق کو مزید تحقیق کا موقع دیا جائے جس نے متعلقہ موضوع پر ایم اے میں کام کیا ہو۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ کسی ایک طالب علم کے تحقیقی کام میں چند صفحات کا اضافہ کرنے پر کسی دوسرے سکالر کو ایم فل یا پی ایچ ڈی کی ڈگری دے دی جائے۔ اعلیٰ تعلیمی اسناد کسی کام میں معقول اضافے ہی پر ملنی چاہییں۔

۵۔ توضیحی کام اور استخراج نتائج

تحقیقی موضوعات پر توضیحی کام کروایا جائے تاکہ نئے محقق تحقیقی منظر نامے سے روشناس رہیں۔ اور ممکنہ حد تک استخراج نتائج کی کوشش کی جائے تاکہ تحقیق پیش قدمی کر سکے ورنہ برس ہا برس تک موضوع اختلافات کے گرد ہی گھومتا رہے گا۔

۶۔ مرکزی دارالمطالعہ اور اس کی شاخیں

ملک کے تمام کتب خانوں کے اشتراک سے ایک مرکزی دارالمطالعہ قائم کیا

جائے جس میں ہر وہ کتاب اور نسخہ موجود ہو جو ملک کے کسی بھی کونے میں سرکاری ادارے کے پاس یا نجی ملکیت میں ہے۔ نایاب نسخوں اور مخطوطات کی مائیکروفلمیں تیار کر کے اس دارالمطالعہ میں رکھوائی جائیں اور اس دارالمطالعہ کی شاخیں ملک کے تمام اہم شہروں میں قائم کی جائیں جن میں یکساں سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۷۔ ادبی تحقیق سے افادیت کے شعور کا فروغ

اگر ہم ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ ترقی کے لیے صرف سائنسی و فنی تحقیق کافی نہیں ہوتی۔ مغرب بہت پہلے سے سائنسی تحقیق کے فوائد کے ساتھ ساتھ اس کے مضر اثرات کو بھانپ کر عمرانی تحقیق کی طرف بھی متوجہ ہو چکا ہے۔ عمرانی تحقیق سے آگے کا عمل ادبی تحقیق ہے جس سے کسی قوم کو اپنی روح کا عرفان حاصل ہوتا ہے اور معاشرہ صحت مند بنیادوں پر ترقی کرتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جدید ادبی تحقیق وسائل اور ذرائع کو بروئے کار لایا جائے جیسا کہ کاروبار اور انفارمیشن کے شعبوں میں ہو رہا ہے۔ نیز ادب کے تمام طلبہ میں بالخصوص اور معاشرے میں بالعموم ادبی تحقیق کی افادیت کے شعور کو عام کیا جائے۔ اور دارالمطالعات کو جدید سہولیات سے آراستہ کیا جائے۔

تحقیق میں جدید سہولیات کے حوالے سے پروفیسر محمد عارف لکھتے ہیں:

> ''ہمیں توقع ہے کہ بالآخر تمام بڑی لائبریریاں، ذخیرہ معلومات اور تحقیقی دستور العمل کمپیوٹرائز کرلیں گی''۔ [۱]

۸۔ ضروری تحقیقی مواد کا حصول

تحقیقی مواد کے حصول کی کوششیں حکومتی اور سرکاری سطح پر کی جائیں اور تعلیمی نظام میں اس کی افادیت سمجھانے کے لیے منصوبہ بندی کی جائے۔ انڈیا آفس لائبریری

۱۔ محمد عارف پروفیسر: تحقیقی مقالہ نگاری (طریق کار) صفحہ ۱۰۳

اور برٹش میوزیم میں موجود مواد مشرق کا سرمایہ ہے جو پاکستان کا ورثہ ہے۔اس کے حصول کے لیے اگر حکومتی سطح پر کوششیں کی جائیں تو پاکستان میں ادبی تحقیق کا ایک نیا دور شروع ہو سکتا ہے۔

۹۔ زیریں تعلیمی سطح سے تدریس اصول تحقیق

تحقیق یعنی سچ بولنے اور سننے کی روایت اسی صورت میں پاکستانی معاشرے میں اپنی جڑیں مضبوط کر سکتی ہے کہ تحقیق اور تحقیقی شعور کے فروغ کے لیے تعلیمی سطح پر ابتدائی جماعتوں سے کام شروع کیا جائے۔کیونکہ تحقیقی اندازفکر مسلمانوں کا ورثہ ہے اور ماضی بعید میں مسلمانوں نے یہی اندازفکر اپنا کر سماجی، اخلاقی اور مادی سطح پر ترقی کے سنہری باب رقم کیے تھے۔اب حال اور مستقبل میں ترقی کے لیے بھی ہمیں یہی اندازفکر اپنانا چاہیے۔ ایس ایم شاہد کے بقول:

> ''تحقیق دراصل ایک اندازفکر ہے جو ہمیں حق کی طلب اور سچائی کی تلاش اور کھوج لگانے پر آمادہ کرتا ہے۔مسلمانوں کی سماجی تاریخ کے آغاز ہی سے اس اندازفکر کا سراغ ملتا ہے''۔[1]

۱۰۔ تحقیقی سرگرمیوں کی پذیرائی

تحقیق، تخلیق وتنقید سے زیادہ مشقت طلب کام ہے اس لیے اس کام کی ستائش وصلے کا بھی بقدر معیار تعین ہونا چاہیے۔اگر کسی مثبت سرگرمی کی مادی واخلاقی سطح پر ضروری پذیرائی نہ کی جائے تو وہ مجموعی طور پر سست رفتار رہتی ہے بھارت کی نسبت پاکستانی محققین نے زیادہ محنت اور توجہ سے ادبی تحقیق کی راہ ہموار کی ہے اب ارباب اقتدار کو چاہیے کہ اس شعبے میں ترغیب وتشویق کے سلسلے میں اپنا کردار ادا کریں۔

۱۔ ایس ایم شاہد: تعلیمی تحقیق، صفحہ ۱۴۶

کتابیات وحوالہ جات

۱۔ اعجاز راہی، ڈاکٹر (مرتب): روداد سیمینار: اصول تحقیق، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان۔، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء۔

۲۔ ایس ایم شاہد: تعلیمی تحقیق، مجید بک ڈپو، لاہور، فیصل آباد، راولپنڈی، ۹۹۔۱۹۹۸ء۔

۳۔ ایس ایم شاہد: تحقیقی طریقہ کار، نیو بک پیلس، لاہور۔

۴۔ انور سدید، ڈاکٹر: اردو ادب کی تحریکیں (ابتدائے اردو سے ۱۹۷۵ء تک) انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۹۹۹ء۔

۵۔ ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر: اردو میں اصول تحقیق (جلد اول)، ورڈ ویژن پبلشرز، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء۔

۶۔ ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر: اردو میں اصول تحقیق (جلد دوم)، ورڈ ویژن پبلشرز، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء۔

۷۔ ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر: مطالعاتی راہنما، اصول تحقیق۔۱۱۷ (ایم فل پروگرام)، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

۸۔ زبیری، نثار احمد، ڈاکٹر: تحقیق کے طریقے، فضل سنز (پرائیویٹ) اردو بازار، کراچی، مارچ ۲۰۰۰ء۔

۹۔ سلیم اختر، ڈاکٹر: اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ آغاز سے ۲۰۰۰ء تک، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء۔

۱۰۔ گوہر نوشاہی، ڈاکٹر: ادبی زاویے، مجلس فروغ تحقیق، اسلام آباد، دسمبر ۱۹۹۳ء۔

۱۱۔ گوہر نوشاہی، ڈاکٹر: تحقیقی زاویے، مجلس فروغ تحقیق، اسلام آباد، نومبر ۱۹۹۳ء۔

۱۲۔ گیان چند، ڈاکٹر: تحقیق کا فن، مقتدرہ قومی زبان۔، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء۔

۱۳۔ محمد عارف، پروفیسر: تحقیقی مقالہ نگاری (طریق کار)، ادارہ تالیف وترجمہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، مارچ ۱۹۹۹ء۔

۱۴۔ گوہر نوشاہی، ڈاکٹر: کلاس لیکچرز (ایم فل رپی ایچ ڈی۔اردو)، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، جنوری یا مارچ ۲۰۰۲ء۔